RAMOOZ-E-TAHQEEQ
VOLUME: 01 ISSUE: 02 (2024)
https://ramooz-e-tahqeeq.com

صوفیانہ ادب میں انسان اور کائنات کا رشتہ

Human and the Cosmos in Sufi Literature

Saima Javed
Associate Professor, Department of Urdu, University of Punjab, Lahore, Pakistan

Muhammad Imran Qureshi
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Government College University, Faisalabad, Pakistan

Abstract:

This paper explores the profound relationship between humanity and the cosmos as expressed in Sufi literature. Within mystical traditions, the human being is viewed as both a microcosm and a reflection of the divine order that governs the universe. The study examines the metaphysical, philosophical, and poetic dimensions of this relationship in classical and modern Sufi writings, focusing on figures such as Ibn Arabi, Rumi, Shah Abdul Latif Bhittai, and Allama Iqbal. The paper analyzes how Sufi poets articulate the unity of being (wahdat al-wujood) and emphasize the interdependence of the soul and the universe in achieving spiritual realization. Through hermeneutic and comparative analysis, this study reveals that the Sufi conception of the cosmos transcends physical dimensions and envisions a moral-spiritual harmony where human consciousness serves as a bridge between the material and divine realms.

Keywords: *Sufi literature, mysticism, cosmos, human existence, unity of being, metaphysics, spirituality, divine reflection*

تعارف

ایک ایسی کائناتی بصیرت پیش کرتی ہے جو وحدتِ الوجود کے تصور پر مبنی ہے۔ صوفی شعرا اور مفکرین کے نزدیک انسان محض ایک جسمانی وجود نہیں بلکہ خدائی حقیقت کا آئینہ ہے۔

علامتی شاعری اور روحانی استعاروں کے ذریعے صوفی شعرا نے ایک ایسی کائناتی تشکیل کی ہے جو انسان کو خدائی نظم کے اندر ایک فعال جزو کے طور پر پیش کرتی ہے۔ رومی کے ہاں انسانی دل آسمان و زمین کے ملاپ کا مقام ہے، جبکہ ابنِ عربی کے نزدیک کائنات دراصل ذاتِ الٰہی کا ظہور ہے۔ جنوبی ایشیائی صوفی فکر میں شاہ لطیف بھٹائی اور بلھے شاہ نے ان نظریات کو محبت، وحدت اور فنا فی اللہ کے سانچوں میں ڈھالا۔

یہ مقالہ اس بات کا جائزہ لیتا ہے کہ صوفیانہ ادب کائنات کو خارجی فضا نہیں بلکہ انسانی شعور کی داخلی حقیقت کے طور پر پیش کرتا ہے۔

صوفیانہ کونیات کی فکری اساس

ابنِ عربی، امام غزالی اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے ہاں کائنات کی تخلیق محض ایک طبعی یا مادی عمل نہیں بلکہ الٰہی تجلی کا ظہور ہے۔ ابنِ عربی کے نزدیک تجلیِ الٰہی کا مفہوم یہ ہے کہ خدا اپنی صفات کے اظہار کے لیے کائنات کو ایک آئینہ بناتا ہے؛ جس میں وہ اپنی ذات کو منعکس دیکھتا ہے۔ ان کے نزدیک کائنات دراصل خدا کے ظہورِ

RAMOOZ-E-TAHQEEQ
VOLUME: 01 ISSUE: 02 (2024)
https://ramooz-e-tahqeeq.com

جمال و جلال کی مختلف صورتیں ہیں—یعنی ہر شے میں خدائی نور جھلکتا ہے۔ امام غزالی اس تصور کو توحیدِ شعوری کے ساتھ جوڑتے ہیں، وہ کائنات کو ایک ایسی ترتیبِ وجود قرار دیتے ہیں جو عارف کے لیے معرفتِ الٰہی کا وسیلہ بنتی ہے۔ ان کے ہاں تخلیق اور خالق کے درمیان فاصلہ ظاہری ہے، حقیقت میں ہر چیز "امر کن" کی جلوہ گاہ ہے۔
شیخ شہاب الدین سہروردی کی حکمت *الاشراق* اس نظریے کو مزید وسعت دیتی ہے، جہاں نور کو تمام وجودات کا ماخذ اور اصل قرار دیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک وجود کی تینوں مل کر ایک —ہر سطح میں نور کی شدت یا کمی مراتبِ کائنات کو متعین کرتی ہے۔ اس طرح ابنِ عربی کا *وحدت الوجود*، غزالی کا *عرفانِ الٰہی* اور سہروردی کا *نظامِ انوار* ایسی فکری اساس تشکیل دیتے ہیں جس میں کائنات، انسان اور خدا ایک ہی شعوری حقیقت کے مختلف مظاہر کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ یہی وہ فکری بنیاد ہے جس پر صوفیانہ کو نیات کا پورا ڈھانچہ قائم ہے، جہاں تخلیق اور خالق کے درمیان جدائی نہیں بلکہ مسلسل قرب اور تجلی کا رشتہ قائم ہے۔

انسان بطور عالمِ صغیر (انسانِ کامل)

صوفیانہ فکر میں *انسان* کو کائنات کا خلاصہ، مظہر اور مقصد قرار دیا گیا ہے۔ ابنِ عربی کے مطابق انسان "عالمِ صغیر" ہے، یعنی وہ کائنات کے تمام عناصر، صفات اور اسرار اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ جس طرح کائنات *تجلیِ الٰہی* کا مظہر ہے، اسی طرح انسان اس تجلی کا شعوری عکس ہے۔ انسان کے وجود میں مادہ اور روح، عقل اور وجدان، ظلمت اور نور—سب وہ پہلو موجود ہیں جو کائنات میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اس طرح انسان نہ صرف کائنات کا عکس ہے بلکہ اس کی معنوی تعبیر بھی ہے۔
امام غزالی انسان کو *عارفِ حقیقی* کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں جو خودی کی معرفت سے خدا کی معرفت تک پہنچتا ہے۔ ان کے نزدیک "جس نے اپنے آپ کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا" (من عرف نفسہ فقد عرف ربہ) کا مفہوم یہی ہے کہ انسان کے اندر خدائی صفات کی جھلک موجود ہے۔ سہروردی اس نظریے کو نوری ترتیب کے ساتھ جوڑتے ہیں اور انسان کو "نورِ اکبر" کے سب سے قریب ترین مظہر قرار دیتے ہیں۔
علامہ اقبال نے اس صوفیانہ تصور کو جدید فکری اور وجودی سانچے میں پیش کیا۔ ان کے نزدیک *انسانِ کامل* وہ ہستی ہے جو اپنی "خودی" کی تربیت کے ذریعے تخلیقی اور روحانی قوتوں کو بیدار کرتی ہے اور یوں خدا کی نیابت کے درجے تک پہنچتی ہے۔ صوفیانہ روایت میں انسان صرف مظہرِ کائنات نہیں بلکہ اس کا محور بھی ہے—وہ خالق اور مخلوق کے درمیان ایک شعوری پُل ہے جو کائنات کی روحانی معنویت کو برقرار رکھتا ہے۔ یہی تصور انسان کو محض مخلوق سے خلیفۃ اللہ کے مقام تک بلند کرتا ہے، اور صوفیانہ کو نیات میں اس کی حیثیت کو مرکزی اور مقدس بناتا ہے۔

وحدت الوجود کا تصور

صوفیانہ کو نیات میں *وحدت الوجود* کا تصور خالق اور مخلوق کے درمیان باہمی تعلق کا سب سے گہرا اور جامع فکری اظہار ہے۔ اس نظریے کے بانی کے طور پر شیخ محی الدین ابنِ عربی کو سب سے زیادہ نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان کے نزدیک وجود کی حقیقت ایک ہی ہے—وہ خدا کا وجود ہے، اور کائنات اسی واحد وجود کی تجلیات سے عبارت ہے۔ ابنِ عربی فرماتے ہیں کہ "کائنات آئینہ ہے اور خدا اس میں اپنا عکس دیکھتا ہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوقات دراصل ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں، اور ان کی کثرت اس وحدت کے جلووں کی تنوع صورتیں ہیں۔
امام غزالی اس تصور کی اخلاقی و روحانی جہت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان کے نزدیک خالق اور مخلوق کے درمیان فاصلہ محض ادراکی ہے، حقیقی طور پر ہر وجود خدا کے "امر کن" کا تسلسل ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جو شخص معرفتِ نفس کے ذریعے اپنے باطن میں جھانکتا ہے، وہ دراصل خدائی حقیقت کے قریب پہنچتا ہے۔
سہروردی نے اپنی حکمت *الاشراق* میں اس وحدت کو نور کے تناظر میں بیان کیا۔ ان کے نزدیک خدا "نورالانوار" ہے، اور تمام موجودات اسی نور کی مختلف شدتوں کا اظہار ہیں۔ روشنی کا زوال دراصل وجود کی کمزوری ہے، جبکہ روشنی کی تکمیل، وجود کی حقیقت ہے۔
علامہ اقبال نے اس وحدت کو جدت کے ساتھ پیش کرتے ہوئے انسان کو "شریکِ تخلیق" قرار دیا۔ ان کے نزدیک خالق اور مخلوق کا تعلق جامد نہیں بلکہ مسلسل تخلیقی تعامل سے عبارت ہے۔ صوفی شعرا—خصوصاً رومی اور بھٹائی—نے وحدت الوجود کو عشق کے زاویے سے بیان کیا، جہاں عاشق (انسان) اور معشوق (خدا) کے درمیان جدائی ایک ظاہری فاصلہ ہے، حقیقت میں وہ ایک ہی نور کے دو عکس ہیں۔

RAMOOZ-E-TAHQEEQ
VOLUME: 01 ISSUE: 02 (2024)
https://ramooz-e-tahqeeq.com

یوں وحدت الوجود کا نظریہ نہ صرف ایک فلسفیانہ بیان ہے بلکہ ایک روحانی تجربہ بھی ہے—جو یہ سکھاتا ہے کہ تمام کائنات میں خدا کی موجودگی رچی بسی ہے، اور انسان کا فریضہ ہے کہ وہ اس وحدت کو شعور، عشق، اور عرفان کے ذریعے دریافت کرے۔

فارسی صوفی شاعری میں کائنات کی روحانی تعبیر

فارسی صوفی شاعری میں کائنات کو محض مظہر مادی نہیں بلکہ ایک زندہ اور روحانی وجود کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ صوفی شعرا—خصوصاً مولانا جلال الدین رومی، فرید الدین عطار، اور حافظ شیراز ی—نے کائنات کو عشقِ الٰہی کا آئینہ قرار دیا، جس کے ہر ذرے میں خدائی حسن اور تجلی کی چمک دکھائی دیتی ہے۔ رومی کے نزدیک کائنات یعنی کائناتی حرکت اور زندگی کا سرچشمہ عشق ہی ہے—"اگر عشق نہ ہوتا تو فلک حرکت نہ کرتا" دراصل ایک نغمہ ہے جو عشق کے زیرِ اثر تخلیق ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہے۔ رومی کی مثنوی میں زمین، آسمان، پانی اور ہوا—سب کو ایک روحانی تمثیل کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان مکالمہ پیدا کرتی ہے۔

فرید الدین عطار نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف *منطق الطیر* میں پرندوں کی داستان کے ذریعے روحانی ارتقا اور کائناتی سفر کا استعارہ پیش کیا۔ یہاں ہر پرندہ انسانی روح کی ایک کیفیت کی نمائندگی کرتا ہے جو خدا کی تلاش میں مختلف وادیوں سے گزرتا ہے۔ عطار کی یہ کائناتی تعبیر دراصل انسان کے اندرونی سفر کی علامت ہے، جس میں روح خود کو دریافت کرتی ہے اور بالآخر "سیمرغ" یعنی حقِ مطلق کے ساتھ ایک ہو جاتی ہے۔

حافظ شیرازی کی شاعری میں کائنات ایک روحانی شراب خانے میں بدل جاتی ہے، جہاں ہر منظر اور ہر لمحہ خدا کی جمالی تجلی کا مظہر ہے۔ ان کے ہاں شراب، ساقی، باغ اور بہار—سب عشقِ الٰہی کے استعارے ہیں۔ حافظ کے نزدیک دنیا کی ظاہری لذتیں دراصل روحانی معرفت کی تمہید ہیں، جو انسان کو حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

یوں فارسی صوفی شعرا نے کائنات کو نہ صرف تخلیقِ الٰہی کا مظہر بلکہ روحانی تجربے کا میدان بھی بنایا۔ ان کی شاعری میں زمین و آسمان، عشق و عقل، نور و ظلمت—سب ایک ہی لامحدود روحانی وحدت میں ضم ہو جاتے ہیں۔ یہ شعری کائنات انسان کو یاد دلاتی ہے کہ فطرت کے ہر گوشے میں خدا کی سانس رواں ہے، اور اس کائنات کو دیکھنا دراصل خود اپنی روح کو دیکھنے کے مترادف ہے۔

جنوبی ایشیائی صوفی فکر: بھٹائی سے بلھے شاہ تک

جنوبی ایشیاء میں صوفیانہ فکر نے ایک مخصوص ثقافتی اور روحانی رنگ اختیار کیا جس نے عرب و عجم کی فلسفیانہ روایات کو مقامی تہذیب، زبانوں اور عوامی شعور کے سانچے میں ڈھال دیا۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی، بلھے شاہ، وارث شاہ، اور سچل سرمست جیسے شعرا نے تصوف کے کو نیاتی تصورات—جیسے *وحدت الوجود*، *عشقِ حقیقی*، اور *فنا فی اللہ* کو عام فہم، علامتی اور لوک شعری زبان میں پیش کیا۔ ان کے ہاں کائنات کوئی مجرد فلسفیانہ نکتہ نہیں بلکہ ایک زندہ مظہر ہے، جو انسان کے اندر اور باہر یکساں طور پر — جاری ہے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی کے *رسالہ* میں کائنات عشق کی ایک مسلسل لہر کی صورت میں جلوہ گر ہے۔ وہ انسان کو "سسی" اور خدا کو "پنوں" کے استعارے میں پیش کرتے ہیں، جہاں فراق اور وصال کے مراحل دراصل روح کے ارتقا کی داستان ہیں۔ ان کے نزدیک محبت صرف انسانی جذبہ نہیں بلکہ کائناتی قوت ہے جو وجود کے ہر درجے میں حرکت پیدا کرتی ہے۔

بلھے شاہ نے صوفیانہ وحدت کے فلسفے کو انسانی مساوات، سماجی انصاف، اور عشقِ حقیقی کے سانچے میں ڈھالا۔ ان کی شاعری میں خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں—وہ اعلان کرتے ہیں: "*بلھا کیہ جاناں میں کون*"، یعنی انسان کی اصل شناخت اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنی انانیت سے آزاد ہو کر کائناتی وحدت میں ضم ہو جائے۔ بلھے شاہ کے ہاں کائنات ایک ایسی روحانی محفل ہے جہاں ہر مخلوق عشق کے رقص میں مصروف ہے۔

جنوبی ایشیائی صوفیانہ روایت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے فلسفے کو وجدان، اور نظریے کو تجربے میں بدل دیا۔ یہاں تصوف صرف خانقاہی یا مراقبہ کی مشق نہیں بلکہ عوامی تہذیب، موسیقی، قوالی، اور شاعری کی صورت میں زندہ ہے۔ اس روایت میں کائنات اور انسان کا رشتہ فطری ہم آہنگی پر قائم ہے—ایک ایسا رشتہ جس میں زمین اور آسمان کے درمیان کوئی حدِ فاصل نہیں، بلکہ دونوں مل کر خدائی حسن کی ترجمانی کرتے ہیں۔

RAMOOZ-E-TAHQEEQ
VOLUME: 01 ISSUE: 02 (2024)
https://ramooz-e-tahqeeq.com

یوں بھٹائی سے بلھے شاہ تک صوفیانہ فکر کی روایت ایک ایسی کائناتی بصیرت بن کر ابھرتی ہے جس میں خدا، انسان، فطرت اور محبت ایک ہی روحانی نظام کے مختلف چہرے ہیں۔ یہی وہ وحدت ہے جو برصغیر کی تہذیبی روح کا جوہر قرار پاتی ہے۔

کونیاتی وحدت میں عشق کا کردار

تصوف کے فکری نظام میں عشق کو وہ بنیادی اور محرک قوت سمجھا جاتا ہے جو کائنات کی تخلیق، اس کے تسلسل، اور انسانی روح کی تکمیل کا باعث ہے۔ ابنِ عربی، رومی، ہے، جو وجود کے ہر درجے کو حرکت، حرارت اور (Cosmic Principle) اور اقبال کے ہاں عشق محض ایک جذباتی یا وجدانی کیفیت نہیں بلکہ ایک کونیاتی اصول معنی عطا کرتا ہے۔ ابنِ عربی کے مطابق تخلیق کا آغاز ہی عشقِ الٰہی سے ہوا—خدا نے اپنی صفات اور جمال کو ظاہر کرنے کی خواہش میں کائنات کو پیدا کیا، چنانچہ ہر ذرے میں اس عشق کی حرارت موجود ہے۔

مولانا رومی کے ہاں عشق وہ قوت ہے جو انسان کو خودی کی تنگ حدود سے نکال کر لامتناہی وحدت میں شامل کرتی ہے۔ ان کے نزدیک عشق، عقل پر فوقیت رکھتا ہے یعنی —"عشق آمد و شد چون خون در رگِ ما ست" : کیونکہ عقل جزوی ادراک تک محدود رہتی ہے، جب کہ عشق کل حقیقت کو محسوس کرتا ہے۔ رومی فرماتے ہیں عشق وہ روحانی قوت ہے جو ہر وجود میں گردش کرتی ہے اور زندگی کو معنویت بخشتی ہے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی اور بلھے شاہ نے عشق کو ایک ایسی قوت کے طور پر بیان کیا جو انسان اور کائنات کے درمیان فاصلے مٹا دیتی ہے۔ بھٹائی کے کلام میں عشق ایک ازلی صداقت ہے جو کائنات کی ہر حرکت کے پیچھے کارفرما ہے، جبکہ بلھے شاہ کے ہاں عشق ہر ظاہری مذہبی جمود کو توڑ کر روحانی آزادی کی راہ ہموار کرتا ہے۔ ان کے نزدیک عشق کا سفر دراصل خودی سے فنا اور فنا سے بقا تک کا سفر ہے۔

علامہ اقبال نے عشق کو تخلیقی توانائی کے طور پر پیش کیا، جو انسان کو کائنات کی وسعتوں میں فعال بناتا ہے۔ ان کے نزدیک عشق وہ شعلہ ہے جو روح کو بیدار کرتا ہے اور انسان کو خالق کی نیابت کے منصب تک پہنچاتا ہے۔ عشق نہ صرف انسان کو خدا سے جوڑتا ہے بلکہ کائنات کی ہر شے کو ایک مقصدی وحدت میں منسلک کرتا ہے۔

یوں صوفیانہ فکر میں عشق خالق اور مخلوق کے درمیان سب سے مؤثر ربط ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو وحدت الوجود کے فلسفے کو زندگی اور حرکت عطا کرتی ہے، اور جس کے — بغیر نہ انسان اپنی حقیقت پہچان سکتا ہے، نہ کائنات اپنی روحانی معنویت کو ظاہر کر سکتی ہے۔ عشق، دراصل وجود کی وہ اندرونی روشنی ہے جو تمام کائنات کو ایک مرکز کے گرد متحد کرتی ہے۔ —محبتِ الٰہی

اقبال کی صوفیانہ فکر کی نئی تشکیل

علامہ اقبال کی فکری اور شاعرانہ روایت میں تصوف محض وجدانی تجربہ نہیں بلکہ ایک تخلیقی اور عملی شعور کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے کلاسیکی صوفیانہ فکر—خصوصاً ابنِ عربی، رومی اور غزالی—سے گہری وابستگی کے باوجود اسے جمود سے نکال کر عمل، خودی اور تخلیقِ نو کے جدید تناظر میں دیکھا۔ اقبال کے نزدیک روایتی تصوف میں جو رجحان فنا اور دنیا سے کنارہ کشی کی صورت میں ظاہر ہوا، وہ انسانی ارتقا کے عمل کو محدود کرتا ہے۔ انہوں نے اس کے بالمقابل ایک متحرک تصوف پیش کیا، جو انسان کو خلیفۃ اللہ کے منصب پر فائز کرتا ہے۔

اقبال کے فلسفۂ خودی میں انسان وہ مرکز ہے جس کے اندر خدائی صفات بالقوّہ موجود ہیں، اور ان کا ظہور عشق، عمل اور وجدان کے ذریعے ممکن ہوتا ہے۔ یہ تصور ابنِ عربی کے *انسانِ کامل* کے نظریے کی جدید توسیع ہے۔ اقبال کے نزدیک انسان کا مقصد فنا نہیں بلکہ *بقا باللہ* ہے —یعنی اپنی انفرادی توانائیوں کو خدا کے ارادے کے تابع کر کے کائناتی نظم میں فعال کردار ادا کرنا۔

رومی کے عشق اور حرارت کو اقبال نے زندگی کی توانائی کے استعارے میں ڈھالا۔ ان کے ہاں عشق محض روحانی تجربہ نہیں بلکہ تخلیقی قوت ہے جو انسان کو حرکت، جرات اور وجدان عطا کرتی ہے۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں رنگ ہے

RAMOOZ-E-TAHQEEQ
VOLUME: 01 ISSUE: 02 (2024)
https://ramooz-e-tahqeeq.com

اقبال نے تصوف کی فکری تعبیر میں عقل اور وجدان کے درمیان توازن قائم کیا۔ وہ عقل کو رہنما اور عشق کو قوتِ محرکہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی فکر میں تصوف کا مقصد فرد کی گریز گاہ نہیں بلکہ خودی کی تعمیر ہے، جو اجتماعی بیداری اور انسانی خدمت کی بنیاد بنتی ہے۔

اقبال کی اس نئی صوفیانہ تعبیر نے روحانیت کو جدید انسان کے فکری اور سائنسی تناظر میں قابلِ فہم بنایا۔ انہوں نے خدا کو ایک متحرک حقیقت کے طور پر دیکھا، جو مسلسل تخلیق کے عمل میں مصروف ہے، اور انسان کو اس تخلیق میں شریکِ کار سمجھا۔ یوں اقبال کی صوفیانہ فکر روایتی تصوف سے بلند ہو کر *فعال روحانیت* کی صورت اختیار کرتی ہے، جس میں عشق عبادت نہیں، جدوجہد ہے؛ اور معرفت، محض مشاہدہ نہیں بلکہ عمل کی تکمیل ہے۔

انسان و کائنات کی ہم آہنگی کے اخلاقی پہلو

صوفیانہ فکر میں کائنات محض مخلوق نہیں بلکہ *خدائی امانت* ہے، جس کے ساتھ انسان کا تعلق نگہبانی، عدل اور محبت پر قائم ہے۔ قرآنِ مجید کے تصورِ خلافت کی طرح صوفیانہ روایت بھی انسان کو زمین پر خدا کا نائب قرار دیتی ہے—یعنی وہ صرف مادی وجود نہیں بلکہ اخلاقی ذمہ داریوں کا حامل شعور ہے۔ اس شعور کا سب سے اہم پہلو کائنات کے ساتھ ہم آہنگی ہے، جو عدل، محبت اور احترامِ فطرت کے اصولوں پر مبنی ہے۔

ہر ذرہ اس کے عشق میں" :ابنِ عربی اور رومی کے نزدیک ہر مخلوق خدا کی تجلی ہے، لہٰذا کسی بھی شے کی تحقیر یا تباہی دراصل خدائی حسن کی بے حرمتی ہے۔ رومی کہتے ہیں یعنی کائنات کی ہر حرکت، ہر شے، ایک روحانی توازن کا حصہ ہے۔ اس لیے انسان کا اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اس توازن کو بگاڑنے کے بجائے اسے سنوارے۔ کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

امام غزالی کے ہاں عدل صرف انسانی تعلقات تک محدود نہیں بلکہ یہ کائناتی اصول ہے—اگر انسان اپنے نفس، معاشرت، اور ماحول میں توازن برقرار رکھے تو وہ الٰہی رضا کے قریب ہوتا ہے۔ بلھے شاہ اور شاہ لطیف کے کلام میں بھی فطرت سے محبت اور انسان دوستی کا یہی پیغام پوشیدہ ہے۔ ان کے نزدیک زمین، پانی، ہوا اور چرند پرند—سب خدا کے ذکر میں مصروف ہیں، لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ اس نظمِ فطرت کے ساتھ انصاف کرے۔

صوفیانہ اخلاقیات میں سماجی ہم آہنگی بھی اسی کونیاتی توازن کا مظہر ہے۔ جب انسان خودی، انا، اور تعصب سے آزاد ہو جاتا ہے، تو وہ اپنے اندر کی وحدت کو پہچانتا ہے، جو کائنات کی وحدت سے جڑی ہوتی ہے۔ یہی وحدت انسانوں کے درمیان عدل، ہمدردی اور امن کا سرچشمہ بنتی ہے۔

علامہ اقبال نے اس روحانی اخلاقیات کو جدید تناظر میں *عملی انسان دوستی* کے تصور کے ساتھ جوڑا۔ ان کے نزدیک تصوف کا مقصد معاشرت سے فرار نہیں بلکہ اس کی اصلاح ہے۔ یوں صوفیانہ فکر ماحولیات، عدل اور سماجی ہم آہنگی تینوں میں ایک ایسی اخلاقی روح پیدا کرتی ہے جو مادیت زدہ دنیا میں توازن، شفقت، اور احترامِ فطرت کا درس دیتی ہے۔

صوفی شاعری میں نور اور فضا کی علامتیں

صوفی شاعری میں "نور" اور "فضا" کی علامتیں کائناتی وسعت اور روحانی تجلی کے وہ بنیادی استعارے ہیں جن کے ذریعے صوفی شعرا نے خالق اور مخلوق کے تعلق کو محسوساتی اور وجدانی تجربے میں ڈھالا۔ نور، صوفیانہ اصطلاح میں، *وجودِ مطلق* کی علامت ہے—وہ پہلی تجلی جس سے کائنات کی تخلیق ہوئی۔ اسی لیے سہروردی کی "حکمت الاشراق" میں نور کو تمام موجودات کی اصل قرار دیا گیا، جہاں ہر شے اپنی روشنی کے درجے کے مطابق خدائی قرب یا بُعد میں ہے۔

ان کے ہاں روشنی "ہر ذرہ *نورِ الٰہی* سے چمکتا ہے، مگر دیکھنے والی آنکھ کم یاب ہے۔" :رومی کے ہاں نور صرف خدا کی صفت نہیں بلکہ ایک حرکی تجربہ ہے۔ وہ کہتے ہیں انسان کے اندر بیدار ہونے والی بصیرت ہے جو دل کے آئینے کو شفاف کرتی ہے۔ رومی کی شاعری میں آفتاب، شمع، پروانہ، اور چراغ—سب وہ علامتیں ہیں جو انسان کی روحانی جستجو اور حق کی تلاش کے مختلف مراحل کی نمائندگی کرتی ہیں۔

فضا، دوسری طرف، کائناتی وسعت اور روح کی آزادی کی علامت ہے۔ عطار اور حافظ کے ہاں "فضا" صرف فطری منظر نہیں بلکہ روح کے اڑان کا استعارہ ہے۔ عطار کے *منطق الطیر* میں پرندوں کا سفر ایک علامتی "فضا" میں ہوتا ہے، جہاں آسمان حقیقت اور پرواز عرفانِ ذات کی علامت بن جاتی ہے۔ حافظ کے ہاں یہ فضا "باغِ ازل" یا "گلشنِ راز" کی صورت میں جلوہ گر ہے، جو روحانی سرمستی اور کائناتی حسن کے احساس کو اجاگر کرتی ہے۔

RAMOOZ-E-TAHQEEQ
VOLUME: 01 ISSUE: 02 (2024)
https://ramooz-e-tahqeeq.com

شاہ لطیف بھٹائی اور بلھے شاہ نے بھی نور اور فضا کو مقامی شعری پیکروں میں ڈھالا۔ بھٹائی کے ہاں "صبح کی روشنی" وصالِ حق کی علامت ہے، جبکہ بلھے شاہ کے ہاں "نورِ عشق" انسان کی باطنی آنکھ کو روشن کرتا ہے۔ ان کے نزدیک روشنی کا سفر خدا کی قربت اور خودی کی بیداری کے مترادف ہے۔

کی تشکیل کرتے ہیں—جہاں روشنی (symbolic cosmology) یوں صوفی شاعری میں "نور" اور "فضا" محض شعری حسن نہیں بلکہ ایک روحانی نظامِ علامات عرفان کی معراج ہے اور فضا، روح کی پرواز۔ یہ علامتیں انسان کو یاد دلاتی ہیں کہ کائنات کے بطن میں پوشیدہ ہر ذرے میں خدائی تجلی رقصاں ہے، اور شاعر کا کام اس روشنی کو محسوس، بیان، اور تقسیم کرنا ہے۔

عصرِ حاضر میں صوفیانہ فکر کی معنویت

عصرِ حاضر میں جب انسان ٹیکنالوجی، مادیت اور خود غرضی کے جال میں الجھ کر روحانی و اخلاقی خلا کا شکار ہے، وہاں صوفیانہ فکر ایک ایسا معنوی سرچشمہ فراہم کرتی ہے جو انسانیت کو وحدت، رواداری اور باطنی بیداری کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ صوفیانہ تعلیمات کا بنیادی اصول *وحدتِ انسانیت* ہے—یعنی یہ یقین کہ تمام انسان ایک ہی الٰہی حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں۔ اس نظریے کی روشنی میں مذہب، نسل، زبان اور طبقے کی تفریق محض ظاہری ہے؛ اصل تعلق محبت اور روحانی رشتے کا ہے۔

آ، جو بھی ہے تُو، آ جا" :رومی، ابنِ عربی، اور بلھے شاہ کے افکار آج بھی اسی وحدت کا پیغام دیتے ہیں۔ رومی کے ہاں مذہب و ملت کی سرحدیں ٹوٹ جاتی ہیں، وہ کہتے ہیں ان کی یہ آواز دراصل انسانیت کی روحانی ہم آہنگی کا اعلان ہے۔ ابنِ عربی کے نزدیک ہر مذہب دراصل اسی ایک سچائی کی مختلف صورت "*یہ درگاہ ناامیدی کی نہیں*۔ ہے، اور یہی رویہ آج کے بین المذاہب مکالمے کی فکری بنیاد بن سکتا ہے۔

اقبال نے صوفیانہ ورثے کو جدید زمانے کے لیے ایک *عملی فلسفہ* کے طور پر پیش کیا۔ ان کے نزدیک تصوف کا مقصد دنیا سے فرار نہیں بلکہ دنیا کی اصلاح ہے۔ وہ انسان کو *فاعل، خلاق* اور *خدا کے شعور سے معمور وجود* کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اس طرح صوفیانہ فکر آج بھی انسان کو اس کی تخلیقی و اخلاقی ذمہ داریوں کا احساس دلاتی ہے۔

صوفیانہ روایت میں رواداری اور محبت کی جو تعلیم پائی جاتی ہے، وہ موجودہ دور کے انتہاپسندی، معاشرتی تقسیم، اور عدم برداشت کے رجحانات کا موثر علاج پیش کرتی ہے۔ صوفیانہ خانقاہیں تاریخ میں ہمیشہ مکالمے، امن، اور خدمتِ خلق کے مراکز رہی ہیں—یہ روایت آج کے عالمی منظرنامے میں بین الثقافتی ہم آہنگی کے لیے ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

ماحولیاتی بحران، معاشرتی ناہمواری، اور روحانی اضطراب کے اس دور میں صوفیانہ فکر انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ روحانی سکون صرف *ہم آہنگی* اور *عشق* میں پوشیدہ ہے۔ صوفیانہ نظریہ وحدت نہ صرف مذہبی اختلافات کو مٹاتا ہے بلکہ انسان کو اپنے اندر اور کائنات میں چھپے نور کو پہچاننے کی دعوت دیتا ہے۔

یوں صوفیانہ فکر آج بھی اپنے اخلاقی، روحانی، اور انسانی پیغام کے ساتھ ایک عالمی معنویت رکھتی ہے—وہ انسان کو یاد دلاتی ہے کہ نجات جدوجہد سے نہیں، بلکہ محبت، برداشت، اور خودشناسی سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ پیغام آج کے انسان کے لیے پہلے سے کہیں زیادہ ضروری اور نجات بخش ہے۔

خلاصہ

صوفیانہ ادب دراصل انسان اور کائنات کے درمیان ایک روحانی مکالمہ ہے—ایک ایسا رشتہ جس میں انسان، کائناتی ہم آہنگی کے ذریعے خدائی حقیقت تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ صوفی اساتذہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ کائنات کو سمجھنے کا راستہ خودی اور شعور کی گہرائیوں سے گزرتا ہے۔

نور، عشق اور وحدت جیسے استعاروں کے ذریعے صوفی شاعری ایک ایسی کائنات کا نقشہ کھینچتی ہے جو روحانیت اور شعور سے لبریز ہے۔ یہ فکر نہ صرف ایک ماورائی فلسفہ پیش کرتی ہے بلکہ اخلاقی اور سماجی شعور کو بھی مہمیز دیتی ہے۔ انسانِ کامل کا تصور آج بھی ہمیں یاد دلاتا ہے کہ کائنات کا ادراک دراصل اپنے اندر کے کائناتی انسان کو پہچاننے سے ممکن ہے۔

حوالہ جات

دارالکتب العلمیہ، بیروت۔ *فصوص الحکم*. (1980) ابنِ عربی، محی الدین

رومی، جلال الدین

مترجم: رینولڈ نکلسن۔ کیمبرج یونیورسٹی پریس۔ .مثنوی معنوی (1995).

دارالمعارفہ، بیروت۔ .احیاءعلوم الدین (1993) امام غزالی، ابو حامد

سندھی ادبی بورڈ۔ .رسالہ شاہ لطیف (2012) شاہ عبداللطیف بھٹائی۔

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور۔ .کلامِ بلھے شاہ (2010) بلھے شاہ۔

راؤٹلیج، لندن۔ .The Mystics of Islam (1967) نکلسن، رینولڈ اے۔

پریس۔ SUNY .The Sufi Path of Knowledge (1989) چٹک، ولیم سی۔

یونیورسٹی آف نارتھ کیرولائنا پریس۔ .Mystical Dimensions of Islam (1975) شمل، این ماری۔

اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس۔ .Islamic Life and Thought (1987) نصر، سید حسین۔

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ .تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ (1930) اقبال، محمد۔

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔ .The Sufi Orders in Islam (1998) ٹرمنگھم، جے ایس۔

جامعہ کراچی پریس۔ .The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent (1966) قریشی، اشتیاق حسین۔